ابوالفتوح محمد التونسی
ترجمہ محمد سرور

ابنِ خلدون کے تعلیمی نظریات

ابنِ خلدون ۷۳۲ھ میں تیونس میں پیدا ہوا۔ اس کا خاندان اسپین کے مشہور شہر اشبیلیہ سے ترکِ وطن کر کے یہاں آباد ہو گیا تھا۔ ابنِ خلدون کے زمانے میں اسپین سے آنے والے علما کی ایک کثیر تعداد تیونس میں موجود تھی۔ نیز خود ابنِ خلدون کا اپنا بڑا علمی خاندان تھا۔ اور صدیوں سے اس کے افراد مختلف اسلامی حکومتوں میں اعلیٰ عہدوں پر سرفراز ہوتے چلے آ رہے تھے۔ یہ ماحول تھا جس میں ابنِ خلدون نے آنکھیں کھولیں اور نشو و نما پائی۔

ابنِ خلدون نے ابتدائی تعلیم اپنے والد سے حاصل کی۔ اس کے بعد اس نے اسپین سے آنے والے علما سے پورا استفادہ کیا۔ وہ ابھی بیس سال کا ہی تھا کہ تیونس کے حکمران کا کاتب بن گیا، لیکن یہاں وہ زیادہ دیر نہ ٹھہرا، تیونس سے وہ شمالی افریقہ کی دوسری امارتوں میں یکے بعد دیگرے منتقل ہوتا رہا۔ یہاں تک کہ وہ اندلس پہنچا، اندلس کے فرماں روا شاہ غرناطہ نے اسے اپنے اہلِ دربار میں شامل کر لیا، اور اپنا سفیر بنا کر اسپین کے ایک عیسائی فرمانروا کے پاس بھیجا، وہاں سے واپسی پر ابنِ خلدون کو اندلس بھی چھوڑنا پڑا، اور وہ پھر شمالی افریقہ آ گیا۔ اس دفعہ پھر شمالی افریقہ میں اسے کہیں چین نہ ملا۔ اور وہ ایک امات سے دوسری امارت میں قسمت آزمائی کرتا پھرا۔ آخر وہ اس سیاسی زندگی سے تنگ آ گیا اور اس نے علمی زندگی اختیار کرنے کا فیصلہ کر لیا۔ ۷۷۶ھ میں ابنِ خلدون اپنے ایک دوست قبیلہ بنو عریف کے ہاں پہنچا، اور ۷۸۰ھ تک وہاں رہا۔ اس عرصہ میں اس نے اپنا وہ مقدمہ تاریخ لکھا جس نے اس کے نام کو زندہ جاوید بنا دیا ہے۔ اتفاق سے یہ پُرسکون زندگی بھی ابنِ خلدون کو راس نہ آئی، اور وہ اس گوشۂ تنہائی سے پھر قسمت آزمائی کو نکل پڑا، لیکن دشمنوں نے اس کو آرام نہ لینے دیا۔ اور آخر وہ مجبور ہو کر حج کے ارادے سے مشرق کی طرف چل دیا اور اس طرح ۷۸۴ھ میں قاہرہ پہنچا۔

قاہرہ پہنچنے سے پہلے ابنِ خلدون علمی و سیاسی دونوں لحاظ سے کافی پختہ ہو چکا تھا اور اس نے

اپنی شہرۂ آفاق تصنیف مقدمہ تاریخ بھی لکھ لی تھی، جس زمانے میں وہ قاہرہ پہنچا، قاہرہ تاتاریوں کے ہاتھ سے ۶۵۶ھ میں بغداد کی تباہی کے بعد اسلامی عربی ثقافت کا سب سے بڑا مرکز بن چکا تھا۔ اور وہاں علم و علما کی بڑی قدردانی ہوتی تھی۔ بہ مملوک سلطان برقوق کا زمانہ تھا۔ قاہرہ میں جیسے ہی اس کے قدم جمے، اس نے جامعہ ازہر میں درس دینا شروع کر دیا، اور اس کے ارد گرد اہلِ علم کا ایک حلقہ بھی جمع ہو گیا۔ پھر اسے مالکی قضا کا عہدہ مل گیا۔ لیکن یہاں بھی تقدیر کے نشیب و فراز نے اس کا ساتھ نہ چھوڑا وہ کئی بار قاضی بنا اور کئی بار اسے برخاست کیا گیا، اسی زمانے میں اُسے ایک اور المناک حادثے سے دوچار ہونا پڑا۔ اس کے اہل و عیال تیونس سے سمندری جہاز کے ذریعے مصر آرہے تھے کہ وہ راستے میں ڈوب گئے۔ ایک دفعہ تاتاری دمشق پر حملہ آور ہوئے، تو وہ سلطانِ مصر کے ساتھ محاذِ جنگ پر گیا، اور جب سلطان مذکور بغیر لڑے قاہرہ لوٹ گیا، تو دمشق کو حملہ آوروں کی غارتگری سے بچانے کے لیے وہ تاتاریوں کے فرماں روا امیر تیمور سے ملا، اور اس سے دیر تک گفت گو کی۔ ابنِ خلدون نے اِس ملاقات کا ذکر کیا ہے۔

ابن خلدون نے کافی لمبی عمر پائی، جو آخر میں تمام تر درس و تدریس اور تصنیف و تالیف میں گزری اس نے کئی کتابیں لکھیں۔ ایک کتاب منطق پر تھی، ایک کتاب میں فلسفہ ابنِ رشد کا اختصار کیا۔ اس نے فقہ، ادب اور حساب پر بھی تصنیفات کیں، لیکن سوائے اس کی تاریخ کے باقی تمام کتابیں ضائع ہوگئیں تعلیم و تربیت پر بحث اور فلسفہ تاریخ کے اصول وضع کرنے میں ابن خلدون کو اولیت حاصل ہے اور اسی طرح وہ پہلا مورخ ہے جس نے علم عمرانیات کی طرح ڈالی۔ اس کے علاوہ ابنِ خلدون نے اپنے زمانے کے طریقہائے تعلیم و تربیت پر بھی بڑی غائر بحثیں کی ہیں اور اِس ضمن میں ایسے افکار پیش کیے ہیں جن کی مدد سے ایک جدید طریقۂ تعلیم و تربیت ترتیب دیا جا سکتا ہے۔

اسلامی تعلیم و تربیت کے پیشِ نظر دو مقصد ہوتے تھے، ایک دینی، دوسرا دنیوی۔ قرآنِ کریم کی آیت۔ "وابتغ فیما اتاک اللہ الدار الاخرۃ ولا تنس نصیبک من الدنیا" (جو کچھ اللہ تعالیٰ نے تمھیں دیا ہے۔ اس میں دار آخرت کو طلب کرو اور اس دنیا سے بھی اپنا حصّہ نہ بھولو) میں ان دونوں مقاصد کی طرف بڑا جامع اشارہ ملتا ہے۔ اسی طرح رسولِ اکرم علیہ الصلوٰۃ والسلام کی حدیث "اعمل لدنیاک کانک تعیش ابداً، واعمل لاخرتک کانک تموت غداً" (اپنی دنیا کے

لیے اسی طرح کام کرو جیسے تم ہمیشہ ہمیشہ کے لیے زندہ رہو گے، اور آخرت کے لیے اس طرح کام کرو، جیسے تم کل ہی مر جاؤ گے) میں اس کی طرف رہنمائی کی گئی ہے۔ غرض اسلامی تعلیم و تربیت میں ان دونوں مقاصد کو بڑی خوبی سے جمع کیا جاتا تھا۔

تعلیم میں قرآن کی مرکزی حیثیت

گو مختلف اسلامی ملکوں میں وہاں کے ماحول کے مطابق تعلیم و تربیت کے طریقے مختلف رہے ہیں، لیکن اس کے باوجود تمام مسلمانوں کا اس بات پر اتفاق تھا کہ قرآن مجید ہی اصل دین اور تمام علوم اسلامیہ کا منبع و مصدر ہے۔ چنانچہ جہاں تک عربی ممالک کا تعلق ہے ان میں سے ہر ایک میں قرآن ہی تعلیم کا اصل اصول ہوتا تھا، اور اسی مرکز کے ارد گرد دوسرے علوم کی تعلیم گھومتی تھی۔ ابن خلدون اسی پر بحث کرتے ہوئے لکھتا ہے۔

"اس سے مقصود بچے کے اندر عقائد ایمانی کو راسخ کرنا اور دین کے ذریعہ اچھے اخلاق کے اصول کو جاگزیں کرنا ہے، اور واقعہ یہ ہے کہ دین نفوس کو مہذب بناتا، اخلاق کو ٹھیک کرتا اور نیکی کے کاموں پر ابھارتا ہے۔"

مسلمانوں کے ہاں تعلیم کے دو درجے ہوتے تھے۔ ایک ابتدائی، دوسرا اعالی۔ شمالی افریقہ میں بچوں کو ابتدائی درجے میں صرف قرآن حفظ کرایا جاتا تھا اور اس کے ساتھ اور کچھ نہیں پڑھایا جاتا تھا۔ اہل اندلس بچوں کو قرآن مجید کے ساتھ ساتھ عربی ادب۔ نظم و نثر اور اصول قواعد بھی پڑھاتے تھے اور انھیں خوش نویسی بھی سکھائی جاتی تھی۔ باقی رہے اہل مشرق یعنی بغداد اور اس کے آس پاس کے ملکوں کے باشندے، ان کے ہاں بچوں کی تعلیم کا وہی طریقہ رائج تھا، جو اہل اندلس میں تھا۔ وہ قرآن مجید حفظ کرانے کے ساتھ ساتھ دوسرے مضامین بھی پڑھایا کرتے تھے۔ البتہ اہل اندلس کے مقابلے میں قرآن مجید کی تعلیم پر زیادہ زور دیتے تھے۔ مزید برآں ان کے ہاں عام درس سے الگ خوش نویسی سکھانے کا انتظام ہوتا تھا اور اس کے لیے مستقل ادارے تھے۔ چنانچہ جنھیں خاص طور پر خوش نویسی سیکھنی ہوتی وہ ان اداروں کا رخ کرتے

ابن خلدون کی تنقید

ابن خلدون ان طریقہ ہائے تعلیم پر تنقید کرتا ہے۔ وہ لکھتا ہے کہ اہل مغرب و افریقہ کا شروع میں

بچوں کو صرف قرآن مجید ہی پڑھانے پر اکتفا کرنا انھیں اپنے خیالات کو اچھی طرح ادا کرنے سے قاصر رکھتا ہے۔ یہ اس لیے کہ وہ بچوں کو قرآن تو حفظ کرا دیتے ہیں، لیکن انھیں ان کی عقلی استعداد کے مطابق قرآن کے اسلوبوں سے واقف نہیں کراتے اور یہی طریقۂ تعلیم اس وقت مصر میں رائج ہے۔ اہلِ شمالی افریقہ کے برعکس جیسا کہ اوپر بیان ہوا اہلِ اندلس بچوں کو قرآن کے ساتھ ساتھ ادب عربی نظم و نثر اور خوش نویسی کی بھی تعلیم دیتے تھے، اس ضمن میں ابن خلدون قاضی ابوبکر بن العربی کا ذکر کرتا ہے اور لکھتا ہے کہ ان کا اپنا ایک طریقہ تھا، جس میں انھوں نے بڑی جدت کی تھی۔ ان کے طریقے کا خلاصہ یہ ہے شعر عربوں کا تاریخی صحیفہ ہے، چنانچہ تعلیم میں اسے مقدم رکھنا چاہیے۔ اسی طرح درس و تدریس میں عربی زبان مقدم رہے۔ جب بچے کو اس پہ قدرت حاصل ہو جائے تو وہ حساب سیکھے اور اس کی مشقیں کرے اور اس کے قوانین کو جانے، اس کے بعد وہ قرآن پڑھے۔ ابن العربی کی رائے میں اگر بچے کی اس طرح تعلیم ہوگی تو وہ قرآن مجید زیادہ اچھی طرح سمجھے گا اور اس کے مطالب بھی بچے کے ذہن نشین ہوں گے۔ ابن خلدون نے ابن العربی کے اس طریقۂ تعلیم کو بہت سراہا ہے، لیکن وہ لکھتا ہے کہ شمالی افریقہ والے اپنے بچوں کو اس طرح تعلیم دینے کے عادی نہیں اور اس کی وجہ یہ ہے کہ ان کے نزدیک قرآن مجید سے تعلیم کی ابتدا ثواب و برکت کا موجب ہے اور وہ ڈرتے ہیں کہ اگر بچے نے صغر سنی میں جب کہ وہ ان کے دباؤ میں ہوتا ہے، قرآن نہ پڑھا، تو ممکن ہے وہ بڑا ہو کر اس سے محروم رہے، اور بعد میں قرآن نہ پڑھ سکے۔

تعلیم کا درجہ عالی

ابتدائی درجے کے بعد درجہ عالی ہوتا تھا۔ اس میں جو علوم پڑھائے جاتے تھے، ابن خلدون نے ان کی دو قسمیں کی ہیں۔ ایک تو وہ علوم، جو مقصود بالذات ہیں اور یہ شرعی علوم ہیں۔ جیسے فقہ، تفسیر، حدیث کلام، طبیعیات، الہیات اور فلسفہ، دوسرے وہ علوم جو مقصود بالذات نہیں اور ان کی حیثیت پہلے علوم کے لیے ذریعہ اور آلہ کی ہے۔ جیسے عربی، حساب اور منطق۔ ابن خلدون کی رائے میں پہلی قسم کے علوم کی تعلیم کے دائرے کو وسیع اور ان کی جزویات کے احاطہ کرنے کی ضرورت ہے۔ البتہ جہاں تک علوم کی دوسری قسم کا تعلق ہے ان کی تعلیم کا دائرہ صرف اتنا ہی وسیع ہونا چاہیے جتنا کہ اصل مقصد کے لیے ضروری ہو۔ چنانچہ اس نے ان علما پر سخت نکتہ چینی کی ہے، جو آخر الذکر علوم یعنی علوم آلیہ

کے دائرۂ تعلیم کو بہت زیادہ وسیع کر دیتے ہیں۔ اس طرح طالب علموں کا وقت ضائع کرتے ہیں، اور انھیں اصل مقصد سے بھی محروم رکھتے ہیں۔ اس سلسلے میں ابنِ خلدون نے علمِ نحو میں طرح طرح کی موشگافیاں کرنے والوں پر سخت اعتراضات کیے ہیں۔ اس کے زمانے میں نظامِ تعلیم میں علمِ نحو کو ان علوم پر جو مقصود بالذات ہیں، زیادہ اہمیت دی جاتی تھی۔ وہ لکھتا ہے:۔ علمِ نحو کی تعلیم نظری نہیں ہونی چاہیے کیونکہ اس سے اصل غرض تو بچوں کو اس قابل بنانا ہے کہ وہ اپنے دلی خیالات کو اچھے انداز میں پیش کر سکیں، صحیح عبارت پڑھ سکیں اور جو پڑھیں اسے سمجھ لیں۔ علمِ نحو اور علم بلاغت کے بارے میں ابن خلدون کی رائے یہ ہے کہ جب تک بچہ مناسب عمر کو نہ پہنچ جائے ان علوم کی اسے تعلیم نہیں دینی چاہیے۔

اخوان الصفا کا طریقہ تعلیم

اخوان الصفا درجہ عالی کے نصابِ تعلیم میں علوم فلسفہ کا بھی اضافہ کرتے تھے۔ اور اس معاملہ میں ان کا اپنا ایک مشہور تعلیمی مکتبِ فکر تھا۔ جو بہت حد تک جدید تعلیمی مکتبِ فکر سے ملتا ہے۔ ان کا کہنا تھا کہ تعلیم کی ابتدا معقولات کے بجائے محسوسات سے ہونی چاہیے۔ چنانچہ وہ محسوسات کو ہی عقلی والہیاتی موضوعات کے درس و تدریس کا ذریعہ بناتے تھے۔ چنانچہ وہ اس طرح اپنے زمانے میں اسلامی عقائد کو ایک اچھوتے اسلوب میں دلفریب علمی طریقے پر پیش کرنے میں کامیاب ہوئے۔ ان کے طریقۂ تعلیم کا بنیادی نکتہ دین اور عقل میں باہم مطابقت پیدا کرنا تھا۔ جب ابن خلدون کو نظامِ تعلیم کے بارے میں اخوان الصفا کے ان خیالات کا علم ہوا تو اس نے ان کے نقطۂ نظر کی حمایت کی اور ان ہی خطوط پر خود ایک نظامِ تعلیم تجویز کیا۔ وہ لکھتا ہے کہ تعلیم کا نصاب مقرر کرتے وقت یہ دو بنیادی نکات ملحوظ رہنے چاہئیں۔

۱۔ بچوں کی ذہنی استعداد

۲۔ حسّی معرفت کو مقدم رکھا جائے اور اسے غیر حسّی معرفت تک پہنچنے کی اساس بنایا جائے۔

تعلیم کے متعلق ابن خلدون کی آرا

ابنِ خلدون لکھتا ہے کہ معلّم کا معلّم بننے کے لیے صرف صاحبِ علم ہونا ضروری نہیں۔ بلکہ اس کے ساتھ ساتھ اسے یہ بھی جاننا چاہیے کہ وہ کس طرح بچوں کو پڑھا سکتا ہے اور یہ اس وقت تک ممکن نہیں

جب تک وہ بچوں کی نفسیات سے واقف نہ ہو اور ان کی استعداد اور ذہنی صلاحیت کو نہ جانے اسی صورت میں وہ بچوں کی فکری سطح پر پہنچے اتر کر ان سے ذہنی اتصال پیدا کر سکتا ہے۔

ابنِ خلدون محض لفظی تعلیم پر سخت اعتراض کرتا ہے، اور بغیر سمجھائے کسی چیز کو حفظ کرانے کے خلاف متنبہ کرتا ہے، وہ کہتا ہے کہ اس طرح رٹنے سے ملکہ فہم کی ترقی رک جاتی ہے۔ وہ ان معلموں کی مذمت کرتا ہے جو رٹانے پر تمام تر اعتماد کرتے ہیں۔ اس کے نزدیک اس سے بچوں کے ذہنوں کے اندر کوئی چیز نہیں جاتی۔ اپنے اس دعوے کی دلیل میں وہ مراکش کے شہروں کی مثال دیتا ہے۔ وہ لکھتا ہے کہ اگرچہ وہاں تعلیم کی مدت ۱۶ سال ہے۔ لیکن اس کے باوجود نہ تو بچوں میں علمی مہارت پیدا ہوتی ہے اور نہ وہ ملکۂ فہم حاصل کر پاتے ہیں، اور یہ اس لیے کہ ان کے مدارس میں تمام تر حفظ کرانے اور رٹانے پر زور دیا جاتا ہے۔ اس کے برعکس تیونس کا مروّجہ نظامِ تعلیم ہے۔ وہاں مدتِ تعلیم اگرچہ پانچ سال ہے، لیکن اس کے باوجود بچے علم میں ملکہ حاصل کر لیتے ہیں، اور اس کی وجہ یہ ہے کہ وہاں اُستاد رٹانے کے بجائے بچوں کو سمجھاتے ہیں اور ان سے سوال جواب کر کے موضوع کو ذہن نشین کراتے ہیں۔ ابن خلدون استادوں کو بچوں کی عقلی نشوونما پر نگاہ رکھنے کی ضرورت بتاتا ہے۔ اس کا کہنا ہے کہ بچے کے ذہن میں ابتداءً میں پختگی نہیں ہوتی۔ اس بارے میں ابنِ خلدون لکھتا ہے۔

> ہم نے اپنے اس زمانے میں اکثر اُستادوں کو دیکھا ہے کہ وہ تعلیم کے طریقوں اور اس کی افادیت سے ناواقف ہیں۔ چنانچہ وہ تعلیم کے شروع ہی میں بچے کے سامنے مشکل مسائل پیش کرتے ہیں اور اس سے ان کو حل کرنے کا مطالبہ کرتے ہیں اور اسے وہ مشق سمجھتے ہیں، ان کا خیال ہے کہ یہ صحیح طریقۂ تعلیم ہے۔ انھیں معلوم ہونا چاہیے کہ بچے میں علم حاصل کرنے کی استعداد بتدریج پیدا ہوتی ہے۔ شروع میں بچہ محسوس مثالوں کے ذریعہ اور صرف اجمالی طور پر ہی چیزوں کو سمجھتا ہے۔ اس کے بعد اس کی ذہنی استعداد بتدریج بڑھتی جاتی ہے۔

ابن خلدون بچوں کی تعلیم کے بارے میں رائے دیتا ہے کہ شروع میں اس کا انحصار اجمالی معلومات پر ہونا چاہیے اس کے بعد تدریجاً انھیں تفصیلات سے واقف کرایا جائے اور وہ اس طرح کہ پہلے بچوں کو مضمون کے ہر باب کے بنیادی مسائل بتائے جائیں۔ پھر اُستاد بچوں کی عقلی نشوونما کا خیال رکھتے ہوئے شرح و توضیح کے ذریعہ ان مسائل کو بچوں کے ذہنوں کے قریب کرے۔ ابن خلدون تعلیم میں محسوس مثالوں سے کام لینے

کی ضرورت کا ذکر کرتے ہوئے لکھتا ہے کہ بچہ حصولِ علم کی ابتدا میں ضعیف الفہم اور قلیل الادراک ہوتا ہے، اور محسوس مثالوں کے ذریعہ جو کچھ اسے پڑھایا جاتا ہے، وہ اس کو سمجھ لیتا ہے۔ ابنِ خلدون اس پر زور دیتا ہے کہ بچہ شروع میں حواس کے ذریعہ سیکھتا اور معرفت حاصل کرتا ہے۔ اسی سلسلے میں وہ طلبِ علم کے لیے سفر کی اہمیت پر بحث کرتے ہوئے لکھتا ہے کہ اس سے طالب علموں کو بہت سی چیزوں کے متعلق معلومات حاصل ہو جاتی ہیں اس کے الفاظ یہ ہیں۔

> طلبِ علم اور مشائخ، ماہرین فنون اور علم و تعلیم کے بڑے لوگوں سے ملاقات کے لیے سفر کرنا کمالِ علم میں اضافے کا باعث ہوتا ہے۔ بات یہ ہے کہ انسان علم و معرفت اخلاق اور مذاہب و فضائل کبھی تو علم و تعلیم اور بتانے سے سیکھتے ہیں اور کبھی دوسروں کو دیکھنے اور اُن کے ساتھ ملنے جلنے سے، نیز اُستادوں سے ملنے جلنے اور اُن کی زبان سے سننے سے خاص طور پر جب کہ ایک سے زیادہ اور مختلف الانواع استاد ہوں، علم و معرفت کی زیادہ اچھی طرح تحصیل ہوتی ہے۔

ابنِ خلدون کی رائے میں بچوں کو ایک وقت میں ساتھ ساتھ دو علم نہیں پڑھانے چاہئیں۔ کیونکہ اس طرح وہ ان دونوں میں سے کسی ایک کو بھی حاصل نہیں کر پاتا۔ کیونکہ دونوں طرف اس کا خیال بٹا رہتا ہے۔ اور وہ کسی ایک طرف بھی پوری طرح توجہ نہیں کر پاتا۔ نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ وہ ناکام رہتا ہے۔ بہتر یہ ہے کہ بچہ پہلے ایک علم کی طرف پوری طرح متوجہ ہو اور اس کے مسائل کو سمجھے پھر وہ آگے بڑھے۔

ابنِ خلدون کے نزدیک بچے کو اس کے ایک خاص فکری سطح پر پہنچنے کے بعد ہی قرآن مجید کی تعلیم دینی شروع کرنی چاہیے۔ وہ اپنے زمانے کے استادوں اور تربیت دینے والوں کے اس طریقے کی جو اس زمانے میں رائج تھا مذمت کرتا ہے جس میں کہ بچے کی تعلیم حفظِ قرآن سے شروع کی جاتی تھی۔ اس خیال سے کہ اس طرح شروع ہی میں قرآن حفظ کرنے سے وہ فصیح عربی لکھنے یا بولنے کا عادی ہو جائے گا اور قرآن بچے کو برائیوں سے بچائے گا۔ ابنِ خلدون کے زمانے میں عام طور پر تعلیم دینے والوں کا یہ عقیدہ تھا۔ اس لیے وہ اصرار کرتے تھے کہ بچے کی تعلیم کا آغاز حفظِ قرآن سے ہو بغیر اس کے معانی سمجھے۔ ان کا خیال تھا کہ ایامِ طفولیت میں قرآن حفظ کرنے سے انہیں عربی سیکھنے میں مدد ملے گی۔ اس طریقہ تعلیم کی تنقید کرتے ہوئے ابنِ خلدون لکھتا ہے۔

بے شک قرآن اللہ کا کلام ہے جسے اس نے بندوں کے لیے اُتارا ہے۔ لیکن جب تک بچہ اس کے معانی نہ سمجھے اور اس کے اندر قرآن کی اسالیب بیان کا ذوق پیدا نہ ہو اس کا زبان سیکھنے پر کوئی اثر نہیں پڑتا۔ قرآن کے لغوی و معنوی تاثیر صرف اس وقت ہو سکتی ہے جب بچہ اپنی پختگی میں ایک خاص درجہ پر پہنچ جائے اور جو وہ پڑھے اس کے معانی سمجھنے لگ جائے۔

قرآن کے دوسری زبانوں میں ترجمے کے بارے میں ابنِ خلدون کی رائے ہے کہ "ان القرآن والسنۃ عربیان ولا یمکن ترجمتھما وبخاصتہ القرآن الکریم" (قرآن وسنّت عربی میں ہیں اور ان کا ترجمہ ممکن نہیں اور خاص طور پر قرآن کریم کا)

ابنِ خلدون کی رائے میں دو عوامل جو تعلیم کی راہ میں رکاوٹ بن گئے ہیں، ان میں سے پہلی کتابوں کے اختصار کا رواج بھی ہے۔ اس پر بحث کرتے ہوئے وہ کہتا ہے کہ علمائے متاخرین کو اس طریقہ اختصار سے خاص شغف رہا ہے۔ اسی لیے مختصرات اور متون کی بڑی کثرت ہو گئی ہے۔ ان علمائے متاخرین میں سے وہ فقہ اور اصول فقہ میں ابن الحاجب اور نحو میں ابنِ مالکؒ کا نام لیتا ہے۔ ان مختصرات پر تنقید کرتے ہوئے وہ لکھتا ہے۔

> یہ تعلیم کے لیے وجہ فساد، تحصیل علوم کے لیے باعثِ اختلال اور مختصر اور عسیر الفہم عبارت کے الفاظ کو حل کرنے اور ان سے مسائل کے استخراج کے لیے متعلّم کے وقت کو ضائع کرنے کا سبب ہیں۔ اور یہ چیز تعلیم سے جو ملکہ حاصل ہوتا ہے؛ اس کی راہ میں ایک روک بن گئی ہے متاخرین کا مختصرات کی طرف اس لیے رجحان ہوا کہ انھوں نے متعلّمین کے لیے ان کا حفظ کرنا آسان دیکھا، چنانچہ انھوں نے متعلّمین کو اس سخت راہ پر ڈال دیا جو ان میں اور نفع بخش ملکات کے حصول میں حائل ہو گئی ہے۔

کہا جاتا ہے کہ بعد کے زمانے میں علما ترک امرا سے تقرب حاصل کرنے کے لیے متون مرتب کیا کرتے تھے کیونکہ ان کی اولاد کے لیے ان متون کے ذریعہ علوم کا حفظ کرنا ممکن ہوتا تھا۔ لیکن اس میں کوئی شک نہیں کہ مختصرات کی ترتیب اور متعلّمین کو متون حفظ کرانے میں جو اس قدر اہتمام کیا جاتا تھا۔ یہ ایک بڑا قوی محرک تھا، اس جمود کا جو ان زمانوں میں ثقافت میں واقع ہوا۔

ابنِ خلدون بچوں کے ساتھ نرمی برتنے اور اُن پر سختی نہ کرنے کی نصیحت کرتا ہے وہ لکھتا ہے کہ تعلیم کے معاملے میں متعلّم پر جبر کرنا اس کی جسمانی صحت کے لیے مضر ہے اور خاص طور سے بچوں پر اس کا بُرا اثر ہوتا ہے۔ اگر لڑکے پر سختی کی جائے اور اُسے دبایا جائے تو وہ تنگ آجاتا ہے۔ اس کی چستی و مستعدی ختم ہو جاتی ہے۔ اس کا جھوٹ، تساہل اور مکر و فریب کی طرف رجحان ہو جاتا ہے اور اس صورت میں وہ ظاہر کرنے لگتا ہے، جو اس کے ضمیر میں نہیں ہوتا اور اس طرح صغر سنی ہی سے اس کے دل میں اِنسانیت کی کوئی قدر و قیمت نہیں رہتی۔ اس ضمن میں ابنِ خلدون یہود کی مثال دیتے ہوئے لکھتا ہے۔

تم یہود کی طرف دیکھو کہ ان میں (اس سختی اور جبر کی وجہ سے) کتنے بُرے اخلاق پیدا ہو گئے ہیں، یہاں تک کہ ہر جگہ اور ہر زمانے میں وہ مکر و فریب کے ساتھ موصوف کیے جاتے ہیں

ابنِ خلدون معلّمین اور والدین کو نصیحت کرتا ہے کہ وہ تعلیم و تربیت میں بچوں کے ساتھ سختی نہ کریں۔ اس سلسلہ میں وہ کہتا ہے۔ بہترین طریقۂ تعلیم وہ ہے جس کی کہ ہارون الرشید نے اپنے بیٹے امین کے استاد اور مربی کو نشان دہی کی تھی۔ ہارون نے کہا تھا :۔ "اے احمر! امیرالمومنین نے اپنی جان اور اپنے دل کا ٹکڑا تمھارے حوالے کیا ہے۔ اس پر اپنا ہاتھ نرم رکھو، اس کے لیے تمھاری اطاعت لازمی ہے امیرالمومنین نے اس کے معاملے میں تمھیں جس مقام پر بٹھایا ہے تم اسی مقام پر رہو، اسے قرآن پڑھاؤ تاریخ سے باخبر کرو۔ اسے شعر سناؤ، اور شعر کی تعلیم دو۔ کلام شروع کرنے کے آداب اور اس کے موقع و محل کا اس کے اندر ذوق پیدا کرو۔ اُسے بے وقت ہنسنے سے روکو۔ جب بنو ہاشم کے بزرگ آئیں تو اُن کی تعظیم کرنا اسے سکھاؤ۔ جب اس کی مجلس میں فوجی سردار آئیں تو انھیں باعزت جگہ دو۔ جو بھی لمحہ گزرے، اس سے فائدہ اُٹھاؤ اور اس میں اسے کچھ سکھاؤ لیکن اس طرح نہیں کہ یہ اس پر بار ہو اور اس کا ذہن جامد ہو جائے۔ اس سے زیادہ درگزر نہ کرو، اس سے اسے فراغت اچھی لگنے لگے گی اور وہ اس سے مالوف ہو جائے گا۔ جہاں تک ممکن ہو، اسے اپنے سے قریب کر کے اور نرمی سے راہ راست پر رکھو اور اگر یہ دونوں چیزیں کام نہ دیں، تو اس پر سختی کرو۔"

ابنِ خلدون لکھتا ہے کہ بچے وعظ و نصیحت سے زیادہ دوسروں کو جو کچھ کرتا دیکھتے ہیں، اس سے سیکھتے ہیں۔ ابنِ خلدون نے یہ رائے عمرو بن عتبہ کے اس خط سے لی ہے جو اس نے ایک معلّم کے نام لکھا تھا۔

عمرو بن عتبہ نے لکھا تھا۔

تمھارا میرے بیٹوں کی اصلاح کی طرف پہلا قدم یہ ہونا چاہیے کہ تم خود اپنے آپ کی اصلاح کرو۔ کیونکہ ان کی آنکھیں تمھاری آنکھ سے مربوط ہیں۔ ان کے نزدیک اچھا وہ ہے، جو تم کرو۔ اور برا وہ ہے، جس کو تم ترک کر دو۔ انھیں اللہ کی کتاب کی تعلیم دو، لیکن اتنی زیادہ نہیں کہ وہ اسے ناپسند کرنے لگیں۔ اور نہ انھیں اللہ کی کتاب کی تعلیم سے اتنا دور رکھو کہ وہ اسے یکسر چھوڑ دیں۔ انھیں اشرف ترین حدیثیں اور پاکیزہ اشعار سناؤ۔ ان کو ایک علم سے دوسرے علم میں اس وقت تک نہ لے جاؤ جب تک وہ پہلے میں پکے نہ ہو جائیں۔ دل میں بہت سی باتوں کا جمع ہو جانا فہم کو مصروف رکھتا ہے۔ انھیں حکما کے طریقے سکھاؤ اور عورتوں سے باتیں کرنے سے روکو۔ میں نے تمھاری استعداد و قابلیت پر بھروسہ کیا ہے۔ تم میری طرف سے کسی عذر کا خیال نہ کرنا۔

ابنِ خلدون کے نزدیک تعلیم ایک اجتماعی عمل ہے۔ اس بارے میں وہ کہتا ہے "چونکہ علم و تعلیم ان اجتماعی اعمال میں سے ہے۔ جو انسان کے ساتھ مخصوص ہیں اس لیے ان کا عمل دخل بدویانہ زندگی سے زیادہ شہری زندگی میں ہے۔ کیونکہ ان کی حاجت اس وقت ہوتی ہے، جب اجتماعی زندگی ترقی کرتی ہے"

ایک اور بڑے پتے کی بات جو ابنِ خلدون نے کہی، وہ یہ ہے کہ تعلیم اپنی زبان میں ہونی چاہیے اس سلسلے میں وہ کہتا ہے کہ " ان الدرس بلغة اجنبية نصف درس "(اجنبی زبان میں درس دینا نصف درس کے برابر ہے)

کسی ایک فن میں مہارت سے مراد یہ نہیں ہوتی کہ اس مہارت کا دائرہ صرف اسی فن تک محدود رہے بلکہ اس فن سے مشابہ جو اور فنون ہوں، ان میں بھی انسان کو دسترس ہو جاتی ہے۔ اس ضمن میں ابن خلدون لکھتا ہے :۔ مثال کے طور پر اگر ایک شخص نے خوش خطی میں مہارت حاصل کی ہے تو جب وہ دیواروں پر نقش و نگار بنانا سیکھے گا تو اس کی یہ خوش خطی کی مہارت ادھر منتقل ہو جائے گی اس طرح اگر ایک شخص حساب میں مہارت رکھتا ہے وہ جبر و ہندسہ بڑی آسانی سے سیکھ سکتا ہے۔

زبان سیکھنے کے متعلق ابنِ خلدون نے یہ گر بتایا ہے کہ متعلم اس زبان کے فصحا و بلغا اور ادبا کے اقوال کثرت سے یاد کرلے اور انھیں ازبر کرلے لیکن اس کے بعد وہ یہ رائے دیتا ہے۔ وعلى الناشي بعد الحفظ ان ينسى ما حفظ (نوعمر متعلم یہ سب حفظ کرنے کے بعد جو کچھ اس نے حفظ کیا ہو، اُسے بھلا دے) (عربی سے ترجمہ)